

پیغامِ سیرت

صبر کی ضرورت اور اہمیت، عصرِ حاضر میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ

لغت میں صبر روکنے کو کہتے ہیں، چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ صبرہ عن ال شیء تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک لیا (۱) اور راغب اسفہانی کے بقول صبر سختی میں روکنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ صبرت اللدابة کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے جانور کو چارے کے بغیر روک رکھا۔ (۲)

اصطلاحِ شرع میں صبر کے معنی ہیں، حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل، والشرع اوعما یقتضیان حبسها عنہ (۳) ”عقل اور شریعت جن امور کا حکم دیتی ہیں ان پر نفس کو جمائے رکھنا اور جن سے وہ منع کرتی ہیں ان سے نفس کو باز رکھنا“۔

صبر لغوی اعتبار سے بہت سے مقامات پر استعمال ہوتا ہے، چنانچہ مصیبت کے موقع پر صبر کو صبر ہی کہتے ہیں، الہتہ جنگ وغیرہ کے موقع پر صبر کو شجاعت کہتے ہیں، سخت مصائب کے عالم میں صبر کا طہیناں قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اگر بات چھپانے کا موقع ہو تو اسے رازداری کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ان تمام مواقع پر صبر کا لفظ استعمال ہوا ہے (۴)

اللہ تعالیٰ کے اسما میں بھی ایک نام صبور ہے، یہ مبالغے کا صیغہ ہے، اور اسی مادے سے ہے، اس کا مفہوم ہے ایسی ذات جو فرمانوں کو مزادینے میں جلدی نہیں کرتی۔ (۵)

صبر کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں نفس کے تقاضوں پر صبر کرنا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے نفس کے تقاضوں کے برخلاف صبر کرنا۔ ۳۔ اور اطاعتِ خداوندی کرنے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات آئیں ان پر صبر کرنا۔ (۶) اور جوہری کے بقول

(۱) ابن المنذر لسان العرب/نثر ادب الحوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ ج ۴، ص ۴۳۸ (۲) راغب اسفہانی/المفردات/مصطلحی البانی، مصر ۱۹۶۱ء/ص ۲۷۳ (۳) المفردات/ابن اربین (۴) ایضاً (۵) لسان العرب/۴/۲۳۷ (۶) لسان/۲/۳۹۹

الصبر حبس النفس الجزع (۷) مبر نفس کو آہ وزاری سے روکنے کا نام ہے۔
 مبر و ثبات اور عزم و استقلال قانونِ فطرت ہے، انسان کو ہر منزل کے حصول کے لئے اور ہر میدان میں کامیابی کے لئے جس ملکہ کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ محنت کے بعد مبر ہے۔
 خالق کائنات نے اس کائنات کا مزاج ایسا رکھا ہے کہ ہر کام ایک طے شدہ نظام کے تحت اور مقررہ مدت کے بعد ہی تکمیل پا سکتا ہے، کسان زمین کی درنگی اور اس میں بیج ڈالنے کے بعد عام طور پر تین سے چھ ماہ مبر کرتا ہے، اور بعض اوقات یہ مدت سال بھر تک محدود ہوتی ہے، جب جا کر اسے اپنی محنت کا ثمرہ لہلہاتی فصل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو مبر کی تلقین کی ہی غرض سے اور اس سے طبعی جبلت کا مادہ کم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس کائنات کو اس نے چھ ایام میں تخلیق فرمایا ہے (۸) صاف ظاہر ہے کہ یہ اس ذات کے لئے لمحے بھر میں بھی ممکن تھا، جو کسی کام کے کرنے کے لئے محض ”کن“ کہنے کی بھی محتاج نہیں۔

ہم اگر خود حضرت انسان کا جائزہ لیں تو اس کی تخلیق سے لے کر بچپن تک اور بچپن سے لے کر لڑکپن، جوانی اور کھولت تک فطرت کا یہ قانون مسلسل نظر آتا ہے۔ انسان کا مزاج بچپن میں کچھ اور ہوتا ہے، اور اسے شعور کی پہچنی، مزاج کی صلاحیت اور کردار کے ٹھہراؤ کے لئے ایک طویل وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فطرت کا یہ مزاج کائنات کی تمام اشیاء میں موجود ہے، اس کا قانون اٹل ہے، جس میں انسان کسی طرح کی ترمیم کا مجاز نہیں۔ اس لئے اس کے پاس مبر و ثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انسان کو عملی زندگی میں کامیابی کے لئے ہر طرح کا مبر درکار ہے، مبر انسانی اخلاق کا حصہ تو ہے ہی، عبادات بھی مبر کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتیں۔ نماز کے لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۹)

اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور اس پر جم جاؤ۔

مبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کا بھی ناگزیر حصہ ہے، مخالفین کا سامنا کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے قرآن کے لفظوں میں مبر ضروری ہے، ارشاد ہے:

وَأِنْ تَضَيَّرُوا وَتَتَفَرَّقُوا لَآ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (۱۰)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (مخالفین) کا کمزور فریب کچھ نقصان

نہیں پہنچا سکے گا۔

صبر و استقامت ایسی چیزیں نہیں ہیں جن سے حاصل شدہ فوائد صرف دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ صبر کرنے والے شخص کا اجر کسی صورت بھی ضائع نہیں ہو سکتا، دنیاوی فوائد و ثمرات تو اسے حاصل ہوں گے ہی، اخروی اجر و ثواب بھی ان شاء اللہ اس کا نصیب ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (۱۱)

البتہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پھر ان کا اخروی اجر بھی کوئی محدود نہیں، انہیں بلا حساب اجر سے نوازا جائے گا، دوسری جگہ فرمایا:

إِنَّمَا يُؤْفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۱۲)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب ملے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ جس کی اتباع ہم سب کی دنیا و اخروی کامیابی کے لئے ناگزیر ہے (۱۳) صبر کے حوالے سے بھی نہایت روشن اور قابل تقلید نمونہ عمل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی دہوتی زندگی کے روز و رات ہی سے قدم قدم پر جن مشکلات، مصائب اور شدائد کا سامنا کیا ان کی تفصیل سب سیرت میں مکمل جزئیات کے ساتھ موجود و محفوظ ہیں، آپ ﷺ کی پوری زندگی صبر و برداشت کی تصویر ہے، مشکلات و مصائب کا دوہوا فتح و کامرانی کا، ہر دو میں آپ ﷺ نے صبر سے کام لیا۔ ایک طرف تو طائف کے میدان میں آپ ﷺ نے پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے فرمایا، اور اہل طائف کی شقاوت قلبی پر جب خالق کائنات نے جبرائیل امین کو بھیجا، اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے جو سلوک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے، اور اس نے ملک الجبال (پہاڑوں پر مامور فرشتے) کو بھیجا ہے، اگر آپ حکم فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف اور مکہ ہیں) آپس میں ملا کر انہیں ختم کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا:

میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، بلکہ مجھے امید ہے کہ

ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی

کوشش نہ کریں گے۔ (۱۴)

اسی طرح ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُحد کے مقام پر مشرکین مکہ کی جانب سے مسلط

(۱۱) یوسف: ۹۰ (۱۲) انعام: ۱۰ (۱۳) الاحزاب: ۲۱

(۱۴) بخاری/صحیح/مصطفیٰ البانی ص ۱۹۵۳، ج ۳، ص ۱۶۳۔ مسلم/صحیح/ادارہ کتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء، ج ۳، ص ۱۹۹

کردہ جنگ میں مصروف تھے، اور اس معرکہ میں آپ کے دمدان مبارک بھی شہید ہوئے، اور چہرہ انور زخمی ہوا تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ان کے لئے بددعا فرمائیے، ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی نبی کریم ﷺ نے صبر کا بے مثال مظاہرہ کیا اور یہی دعا فرمائی:

”اللہم اهد قومی فانہم لا یعلمون (۱۵)

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ مجھے جانتی نہیں۔

اور دوسری جانب جب فتح مکہ کے موقع پر یہی اہل مکہ جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا جینا دو بھر کر دیا تھا، سرگموں ہو گئے، اور انہوں نے اپنی امیدیں یہ کہہ کر رحمت عالم ﷺ کے دامن مبارک سے وابستہ کر لیں کہ اخ کوریم، و ابن اخ کوریم۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے، تو آپ نے یہ فرما کر سب کو (چند ایک بد بختوں کے سوا) اذن رہائی دے دیا:

لا تدریب علیکم الیوم، اذہبوا فانکم الطلقاء

آج تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (۱۶)

آپ ﷺ نے جن مشکلات کا سامنا کیا ان کو پڑھ کر ہی رو تکتے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پھر جب ہم پڑھتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات پر بھی آپ نے صبر و ضبط سے کام لیا تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ صبر کا جذبہ انسان کو ترقی کی کس قدر منازل سے آشنا کرتا ہے؟ ابتدائی ایام کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مجھہ کر رہے تھے اور ان کے گھر قریش کے کچھ لوگ کھڑے تھے، اس دوران عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھڑی لایا اور حضور اکرم ﷺ کی پشت پر ڈال دی، جس سے آپ سر نہ اٹھا سکے۔ اس دوران حضرت فاطمہ آگئیں اور اسے آپ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی اس کو بد دعا دی۔ (۱۷)

آپ ﷺ کا یہ بے مثل صبر و ضبط دراصل امت محمدیہ کے لئے ایک سبق اور درس عمل تھا، آپ نے اپنے عمل مبارک کے ذریعے یہ تلقین دتا کہ فرما دی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کسی قدر ہی طویل کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور کھل کا میانی کے لئے صبر از بس ضروری ہے، اور صبر و ثبات کے بغیر دائمی، حقیقی اور کھل کا میانی کا تصور ممکن نہیں۔

(۱۵) تاضی عیاض / مصطفیٰ البانی اعلیٰ، مصر، ۱۹۵۰ء / الشفاء / ج ۱، ص ۶۱

(۱۶) مولانا شبلی نعمانی / سیرت النبی / دارالاشاعت، کراچی / ج ۱، ص ۳۰۰ (۱۷) بخاری / ج ۳، ص ۲۳۹

یہاں یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی مدد اور وحی الہی کی تائید حاصل تھی، اس بنا پر آپ عزیمت کی اس بلندی پر فائز تھے جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں، یہ بات جزوی طور پر تو درست ہو سکتی ہے مکمل طور پر نہیں، یہ درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام بلند کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں، مگر آپ کا اُسوۂ حسنہ ہم سب کے لئے از روئے نہیں قرآنی دائمی نمونہ عمل ہے، اور یہ حکم صبر کے لئے بھی ہے۔ دوسرے اگرچہ آپ ﷺ کو براہ راست تائید خداوندی اور وحی الہی سے تعلق تھا، مگر یہ بات آپ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب کی شدت میں کمی نہیں کرتی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی مشکلات اور مصائب بھی دوسروں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے بہت زیادہ تھے، خود آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

بلا شبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر ماذیت دی گئی اتنی کسی کو نہیں دی گئی، اور اللہ کی

راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا (۱۸)

اور ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ کن لوگوں کی آزمائش سب سے کمزور ہوتی ہے؟ فرمایا کہ انبیاء کی، پھر ان سے کم تر لوگوں کی پھر ان سے کم تر لوگوں کی، لوگوں کو ان کے دین کے تنا سب سے آزمایا جاتا ہے، جس کا دین سے تعلق مضبوط اور مستحکم ہوگا اس کی آزمائش سخت ہوگی، اور جس کی دین داری کمزور ہوگی اس کا امتحان بھی کمزور ہوگا، اور آدمی کی آزمائش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ (ان میں پورا اترنے کے بعد) وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ (۱۹)

صبر، حدیث کے الفاظ میں ایک روشنی ہے، مینارۃ نور ہے۔ الصبر ضیاء (۲۰) انسان جب زندگی کی پُر رنج راہوں میں مشکلات کے اندھیروں سے نبرد آزما ہوتا ہے، حادثے کے تپیلے اس کے سامنے زسرت کی راہ کو تار یک کر دیتے ہیں، اور پریشانیوں کی ظلمت دراز ہونے لگتی ہے تب صبر روشن چراغ کی مانند اپنی ضیا پھیلاتا ہے، ایسے وقت میں صبر ایسی روشنی کا کام دیتا ہے جو اسے مایوسیوں سے نکال کر امید کی روشن راہوں تک لے آتی ہے۔ اس لئے صبر ہر حال میں ایک مسلمان کا وظیفہ حیات ہونا چاہئے۔

مشکلات و مصائب کے بارے میں ہمارا تصور بھی حد درجہ ناقص ہے۔ ہمارا عام تصور یہ ہے کہ مشکلات کا سبب یا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے، ہماری بد قسمتی ہے، بزرگوں کا عدم التفات ہے، یا پھر

(۱۸) ابن الجری العسقلانی / فتح الباری / قدیمی سب خانہ، کراچی / ج ۴، ص ۲۱۰ (۱۹) زندی / السنن / دار الفکر، بیروت

۱۹۹۳ء / ج ۴، ص ۱۷۹ - ۲۰۶ / ابن ماجہ / السنن / دار العارفہ، بیروت ۱۹۹۸ء / ج ۴، ص ۲۳۳ - ۲۰۲ / رقم ۲۰۲۳

(۲۰) مسلم / ج ۱، ص ۱۷۱ - رقم ۲۲۳ - زندی / ج ۵، ص ۳۰۷ - رقم ۳۵۲۸

کاروباری، خاندانی اور ذاتی رفاقتوں کا شائبہ ہے، جن کے نتیجے میں ہم پر جاوہ کے ذریعے یا جنات وغیرہ کے توسط سے ایسا عمل کر دیا جاتا ہے جو ہماری گھریلو، کاروباری اور خاندانی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ یہ تصور ہمارا اپنا تراشا ہوا ہے جس کا اسلامی فکر سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن تو ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی بھی انسان کو اور بالخصوص اچھے مسلمان کو کسی بھی صورت اس دنیا میں مشکلات سے مفر نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ
وَنَبْلُوا أَخْبَارَكُمْ (۲۱)

ہم ضرور تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے، تا کہ تمہارے حالات کو جانیں، اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں؟ اور دوسرے مقام پر بالکل واضح فرما دیا:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ
صَلُّوا وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ كَفَبُوا (۲۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (مخلص) آئنا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بیشک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزمائے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔

اس لئے مشکلات کا تعلق کسی اور چیز سے جوڑنے کی بجائے اسے من جانب اللہ سمجھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے اعانت مانگتے ہوئے اپنے حالات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور نتائج اللہ کے سپرد کر دینے چاہئیں۔ اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اسی میں خیر ہے، اور اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ حدیث میں بھی یہ مفہوم بیان ہوا ہے۔ ایک بار دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی تکالیف سے نکل آ کر بعض صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور سختی سے جواب دیا اور فرمایا:

تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں ان کے جسموں پر آ رہے چلائے گئے اور ان کی کھالیں تک اُتار لی گئیں، مگر وہ اپنے مذہب سے نہیں پھرے، خدا کی قسم، دین اسلام اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا، حتیٰ کہ منشاء سے حضرت موت تک جانے والا مسافر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا (۲۳)

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت آپ ﷺ نے یوں فرمائی، فرمایا:

اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بَعِيْدَهُ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَاِذَا ارَادَ بَعِيْدَهُ الشَّرَّ امْسَكَ عَنْهُ بَلَنْبَهُ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲۴)

جب اللہ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں سزا دیتا ہے، اور جب اپنے کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو دنیا میں ترک کر دیتا ہے، تا کہ وہ نیکیا مت اُسے پوری سزا دے۔

یہ پہلو بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ ان وقتی اور دنیاوی تکالیف کی وجہ سے ہماری دائمی آخری زندگی کی راحت کا سامان ہو رہا ہے، اور عارضی زندگی کی عارضی مشکل اگر دائمی زندگی کی دائمی راحت کا سبب بن جائے۔ اور ہم جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو ہمارا دامن ہماری بد اعمالیوں کے اثرات سے پاک ہو تو یہ سوا کس قدر مستا ہے؟ یہ سستا سوا تو ہمیں خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یہ عملی پہلو یعنی صبر و ضبط ہماری عملی زندگی کے لئے ہر پہلو سے نمونہ عمل ہے، خصوصاً آج کے حالات میں صبر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ابتدائی اور لازمی جز ہونا چاہئے، اجتماعی سطح پر بھی عالمی صورت حال کے حوالے سے ہمیں اپنی حکمت عملی کو جہاں از سر نو متعین کرنا چاہئے، وہیں خالص جذبائیت سے کھل کنا رہ کشتی اختیار کر کے اور صبر و استقامت سے کام لے کر اپنے متعین اہداف کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ یہ وہ ماہ ہے جہاں جذبائیت بھی ضرور سامان ہے اور عجلت پسندی بھی۔ دوسری جانب ہماری توجہ اچھا اور با کردار مسلمان بننے پر پوری طرح مرکوز ہونی چاہئے، خصوصاً ہمارے سماجی رویے آج قطعاً ایک اچھا مسلمان ہونے کی نشاندہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو فرائض لازم آتے ہیں، ان سے ہم بالکل لاعلم، بے پرواہ ہیں اس کی گواہی کے لئے کسی بڑی بات کی ضرورت نہیں، بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے ثبوت کے لئے کافی

ہیں۔ مثلاً ٹریک۔ قوانین کی خلاف ورزی ہمارا روزمرہ کا معمول ہے، جسے اب معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ براہ راست دوسروں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے ذیل میں آتا ہے، اور اس کا حل صرف صبر میں پوشیدہ ہے، یہ صرف ٹریک۔ قوانین کا ہی حال نہیں، ہم تقاریر اور صف بندی کے کسی مرحلے کے بھی قائل نہیں، اور جب ایسے کسی موقع پر ہمیں اپنی کوتاہی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، تو ہم اس سے بھی زیادہ نامناسب اور ناروا رویوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسی طرح اگر اپنے حقوق کے حصول کا معاملہ ہو تو بھی ہم صبر سے کام نہیں لیتے، اور کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا حق ہمیں جلد سے جلد بلکہ وقت سے بھی پہلے مل جائے، مگر جب اپنے فرائض کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات اور مشکلات پر صبر سے کام لینے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہم اشتعال انگیزیوں کا بھی بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں، جس کے سبب ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، مگر ہمیں شاید علم نہیں کہ اگر ایسے مواقع پر ذرا سے صبر اور برداشت سے کام لیا جائے تو خود ہمارے لئے بھی مشکلات کم ہو سکتی ہیں۔

یہ اور ان جیسے بہت سے پہلو جو ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں صبر و ثبات، استقامت اور برداشت کی تلقین کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے ہے، آپؐ سے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا تعلق اور آپؐ سے محبت کے دعوے اب ہم سے تھوڑی سی قربانی مانگتے ہیں، ہمارے جذبات کی قربانی اور بے عملی کی اس غلط نگرانی کی نظر میں پُر آسائش زیست کی قربانی۔ یہ قربانی دے کر ہی ہم صحیح معنوں میں کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی اور آخروی لحاظ سے بھی۔ اللہ تعالیٰ راہِ عمل ہم سب کے لئے آسان اور روشن بنائے، آمین۔